ذوالفقار حسین شاہ

اسکالر، پی ۔ ایچ ڈی اُردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

ڈاکٹر نعیم مظہر

استاد شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

انور سدید کے افسانوں کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Zulfiqar Hussain Shah
PhD Scholar, Department of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad.

Dr. Naeem Mazhar
Associate Professor, Department of Urdu, National University of Modern Languages, Islamabad.

An Analytical and Research Study of Dr. Anwar Sadeed's Short Stories

Dr. Anwar Sadeed is one of the notable writers who contributed a great deal towards the advancement of Urdu literature. His literary contribution can never be underestimated. He is adept at all genres of literature and his input in the field of poetry, short story, essay, translation and journalism are stupendous. In this research paper focuses on his short stories in relation to content and form. Especially, the oriental aspect of his fiction is brought to the fore with an emphasis on the rural backdrop of his writings. Characterization, themes, situations and other aspects are explored.

Key Words: *Notable, Writer, Advancement, Literature.*

انور سدید کی پہچان اُردو ادب میں ایک نقاد کی ہے، لیکن تنقید کے علاوہ انہوں نے افسانے میں بھی فن کے جوہر دکھائے ہے۔ انہوں نے افسانہ کا آغاز ۱۹۴۲ میں کیا" مجبوری "اُن کا پہلا افسانہ اس دور میں "ہفت روزہ "چترالاہور سے شائع ہوا۔ انور سدید کے "خوابیدہ افسانے" میں شامل انیس افسانوں سے اُن کے موضوعات کی وسعت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ انور سدید نے اپنے ہم عصر افسانہ نگاروں کے مقابلے میں بہت کم لکھا ہے۔ لیکن اُن کے افسانے موضوعات کے اعتبار سے وسعت رکھتے ہیں۔ ابتداء میں انور سدید کے افسانوں پر رومانوی عناصر کی چھاپ واضح دکھائی دیتی ہے۔ رومانی ماحول کی

منظر کشی اور عکاسی اُن کی ابتدائی افسانوں کا خاصہ ہے۔ یہ افسانے اس دور کے ہیں جب ترقی پسند افسانے کا عروج تھا۔ حقیقت نگاری کے اس دور میں اُنھوں نے افسانے کے قاری کو رومانیت کی طرف مائل کیا لیکن ایسا نہیں تھا کہ وہ حقیقت نگاری یا ترقی پسند ادب سے وابستہ نہیں تھے بلکہ رومانیت کے ساتھ ساتھ حقیقیت نگاری کا امتزاج بھی اُن کے افسانوں میں ملتا ہے۔ دراصل اُن کا مقصد ان مسائل کی نشان دہی تھا۔ جن کی طرف ترقی پسند تحریک لوگوں کو شعور دے رہی تھی۔ ڈاکٹر انور سدید ترقی پسند تحریک کے فکری پہلو سے وابستہ تو تھے۔ مگر ان کے ہاں ہمیں شدت کا تاثر نہیں ملتا بلکہ وہ ان مسائل کو دیکھتے ہیں اور لفظوں کے پیرائے میں ذریعہ اظہار بناتے ہیں۔

جب وہ اُردو افسانہ نگاری کی طرف مائل ہوئے تو اس وقت وہ محکمہ انہار میں ملازمت کرتے تھے، اُن کے پیشے سے منسلک واقعات بھی اُن کے افسانوں میں موضوع کی صورت میں ملتے ہے۔ کہانی۔ مثلاً "کچی مٹی کا بند" میں اُنھوں نے اپنے ساتھ بیتے سچے واقعات کو علامتی رنگ کے ذریعے پیش کیا ہے۔ اس افسانے میں رومانویت اور محبت کا گہرا تاثر ملتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ اُن کی اولین دور کے افسانے "کچی مٹی کا بند"، "غم محرومی جاوید"، "رباب کے تار"، "سینہ چاک"، "باسی پھول"، "جب پردہ ہٹا"، "نیلی رگیں"، "ستاروں کے موتی"، "نیل کنٹھ"، "شیش محل" اور "دل ناتواں" میں رومانوی عناصر غلب نظر آتے ہیں اور ان کی کہانیاں کلاسیکی انداز اور رومان کا گہرا تاثر رکھتی ہیں۔ جس میں سماجی عناصر ایک تحریک کی شکل اختیار کرتے نظر آتے ہیں۔ جب کہ ماحول سے بیزاری اور بغاوت کے پہلو واضح دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کے افسانے دیہاتی ماحول اور مناظر سے وابستہ ہیں۔ دیہی ثقافت، روایت اور اقدار کو موضوع اور ایک حسین رنگ میں سمو کر پیش کرتے ہیں۔

جب کہ "غم محرومی جاوید" میں رومانوی عناصر قاری کو محبتوں کے حسین خواب و خیال کی سیر کراتے ہیں۔ جس میں محبت کو مہک کی طرح محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اس دور کے افسانوں میں "غم محرومی جاوید" اُن کا دلچسپ افسانہ ہے۔ اس افسانہ میں رومانوی عناصر قاری کو محبتوں کے طلسم میں لے جاتا ہے۔ یہ افسانہ جمی کے پامسٹ کی پیش گوئی بھی، پیہم مایوسی، مسلسل سوگواری اور شباب کی موت، کی مثلث کے گرد گھومتی ہے۔ دوسری طرف ایک عاشق کے دلی جذبات کا مظہر بھی ہے کہ جو اپنی محبت کو یادوں کے البم میں مہکتا محسوس تو کرتا مگر چھو نہیں سکتا۔ ایک اور افسانہ "سجدہ سہو" میں معاشرتی دوغلے پن کو بے نقاب کیا۔ تاجی طوائف جو گناہ کی زندگی سے چھٹکارہ چاہتی ہے۔ لیکن حالات کی ستم ظریفی اُسے دوبارہ گناہ کے دلدل میں دھکیل دیتی ہے۔ اُنھوں نے عورت کے فطری رویوں کو دلکش انداز میں ظاہر کیا اور زندگی کے ایک پرت کو آشکار کیا۔ عورت ان کے افسانے میں غیرت کا پیکر نظر آتی ہے۔ "رباب کے تار" اس نوع کا عمدہ افسانہ ہے۔ "لاوارث" بھی ایک دیہاتی لڑکی کی سچی اور خالص جذبات پر مبنی محبت کی کہانی ہے۔ "سینہ چاک"، "باسی پھول" اور "پچھتاوا" میں بھی محبت کے ایک خوبصورت رنگ کو دلکش انداز میں پیش کیا۔ جو ایک خاص رومانوی انداز لیے ہوئے ہیں لیکن یہ رومانویت ایک خاص دائرے کے اندر مقید ہے۔ جو اس دائرے کی حدوں کو پھلانگنے کی کوشش نہیں کرتی ہے۔ اسی طرح "خودکشی سے پہلے" ایک غیر معمولی نوعیت کا افسانہ ہے۔ جو اپنے اندر بھرپور تجسس رکھتا ہے۔ جو ایک خوب صورت موڑ پر جاکر ختم ہو جاتا ہے۔ انور سدید کہانی کو منطقی انجام پر پہنچاتے ہیں تو پڑھنے والا اس کی معنوی گہرائی میں محو ہو جاتا ہے۔ انور سدید نے "جب

پردہ ہٹا" میں ایک عورت کے خانگی معمے اور الجھاؤ کو محبتوں اور اداسیوں کے پرچار کو اس انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والا پُر سوز کیفیت اور ایک درد محسوس کرتا ہے۔ انور سدید نے جس حسن کاری سے رومانوی افسانے تحریر کیے۔ اس حیثیت سے وہ پیش رُو اور ہم عصر افسانہ نگاروں کے ہم پلہ ہیں۔ اُن کے ہاں محبت و رومان کے منفرد رنگ ہیں۔ اُنھوں نے افسانوں میں موضوعات کا انتخاب اپنے گرد و پیش کے بھولے بھالے دیہی سماج سے کیا ہے۔ انسان اور محبت اُن کا بنیادی موضوع ہے۔ اُن کی فکر کا محور انسان اور اس کی بیش قیمت محبت ہے۔ جس کے سبب اُن کے ہاں انوکھی اور دل آویز صورتیں اور کیفیتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔ جنھیں دیکھ کر محسوس کر کے انسان حیرت میں مبتلا ہو جاتا ہے ۔ "دل ناتواں" میں اس کیفیت کا اظہار یوں ملتا ہے :

> "اس نے مسہری کا پردہ اُٹھاتے ہوئے نیند کا خمار دور کرنے کے لیے اپنے دونوں بازو ہوا میں پھیلا دیئے اور ابھی بازوؤں کا تناؤ کم نہیں ہوا تھا کہ اس کی نگاہیں سامنے قد آدم آئینے کی دبیز سطح سے ٹکرائیں۔ ایک حسین تصویر اسے آئینے کے پیچھے سے جھانکتی نظر آئی اور چند لمحوں کے لیے وہ اپنے آپ بھی بے خبر ہو کر اسے دیکھنے میں محو ہو گئی۔ شب خوابی کی لکیر دار لباس میں شکنیں پڑ گئی تھیں۔ ویاہ دراز زلفیں رات بھر کی نیند کے بعد پریشان ہو گئی تھیں اور آنکھوں سے نیند کا خمار ابھی تک جھلک رہا تھا۔ لیکن پھر بھی اسے محسوس ہوا کہ وہ بے حد خوبصورت ہے ۔ اتنی کہ ایک ہی نگاہ میں کسی نوجوان کے دل کی دنیا میں ہلچل پیدا کر دے۔ وہ چارپائی سے اُٹھ کر کھڑی ہوئی اور آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی قد آدم آئینے کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ سفید مرمریں گردن میں نکلس پہن کر ایک بار پھر اس نے اپنے جسم کا جائزہ لیا۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر کھل گئی۔" (۱)

ہر ادیب انسان دوستی اور ہمدردی کی بنیاد پر معاشرتی ناہمواریوں پر کڑی نظر رکھتا ہے اور اپنے تخیل سے ایک بہترین معاشرے کے قیام کا تصور رکھتا ہے۔ اس تصور کی بناء پر وہ اپنے گرد و پیش ہونے والے واقعات، حالات اور معاشرتی تعلقات کی جانچ کرتا ہے اور اپنی تخلیقات میں اس تنقیدی بصیرت سے تخلیقی حسن میں سموتا اور سامنے لاتا ہے۔ جو اپنے دور کی بنیادی حقیقتوں اور سچائیوں کا ادراک کرتا ہے۔ انور سدید کے افسانوی ادب میں بھی یہ روش عام ملتی ہے۔ ان کا سماجی افہام و تفہیم کا انداز منفرد آرٹ کا نمونہ ہے۔ اُنھوں نے جمالیاتی تصور کو زندہ رکھا اس لیے اُن کے افسانے رومانیت کی فضا سے سرشار نظر آتے ہیں۔

انور سدید کے افسانوں میں محبت اور رومانویت کے افسانے کثیر تعداد میں ہیں۔ اُن کے ہاں جہاں رومانویت کا رنگ، کردار اور ماحول حاوی ہے۔ اُن کے ساتھ ساتھ سماجی سچائیاں بھی اُن کے افسانوں میں ملتی ہیں۔ جن کا اُن کو گہرا شعور اور احساس تھا۔ اُنھوں نے سماجی حقیقتوں اور رومانویت کو یکساں اپنایا، دونوں میں امتیاز کا عنصر نہیں ملتا البتہ اُن کے افسانوں میں محبت اور رومانویت کا پلڑا ابھاری رہتا ہے۔ اُن کے ہاں رومانویت کلاسیکی نہیں ہے۔ بلکہ اُنھوں نے روایت کے خلاف اور

معاشرتی ناہمواریوں کے خلاف بغاوت کا تاثر دیا ہے۔ اس اعتبار سے "نیلی رگیں" اُن کا نمائندہ افسانہ ہے۔ جس میں محبت کی کہانی میں عصری صورتحال، نو آبادیاتی ہندوستان، انگریز حاکموں کے عوام کے ساتھ رویے، درمیانے طبقے کے مسائل، شہری اور دیہاتی زندگی کے امتزاج اور گاؤں کی رسومات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ چونکہ بیسویں صدی کے عالمی، سیاسی اور سماجی منظر نامے کو اگر دیکھا جائے تو اس صدی کو عالمی سیاسی پس منظر میں جنگوں کی صدی بھی کہا جاتا ہے۔ اس دور میں متعدد عظیم جنگیں ہوئیں۔ جن میں قابل ذکر جنگ عظیم اول، عظیم دوم، جنگ بلقان، جاپان اور روس کی جنگ ہے۔ برصغیر میں نو آبادیاتی نظام اور ان جنگوں نے عوام پر گہرے اثرات مرتب کیے۔ معاشرتی تقسیم، فرقہ واریت، اقتصادی بدحالی، سیاسی انتشار اور افراد کی جانوں کی ضیاع سے لے کر نفسیاتی عدم توازن کی کیفیات کو جنم دیا۔ ان جنگوں کے دورس نتائج نکلے جسے آنے والی نسلیں بھگت رہی ہیں۔ اُنھوں نے نو آبادیاتی عہد میں لڑی جانے والی جنگوں کے اثرات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ اور اُن اثرات کو اپنی کہانی میں یوں بیاں کرتے ہیں کہ:

> " اور اسی طرح روز اس کے پاس دیہاتی جن کے بیٹے جنگ ختم ہو جانے کے باوجود میدان سے واپس نہیں آئے تھے اور اسکے خیالات کا تسلسل برہم ہو جاتا۔ وہ انھیں دلاسا دیتے ہوئے کہتا۔ "آپ فکر نہ کریں۔ اب کے ایسا خط لکھوں گا کہ ساتھ ہی کھنچا چلا آئے گا"۔ اور دیہاتیوں کے چلے جانے کے بعد خیالات کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جُڑ جاتا۔ آنکھوں کے آگے "گوراں" کی تصویر پھر رقص کرنے لگتی اور اس کے دل کو پھر طمانیت و سکون محسوس ہونے لگتا۔" (۲)

افسانے میں جنگ کے حالات واقعات مسلسل گردش کرتے نظر آتے ہے جس سے ایک داخلی ربط کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ جنگ کی خوف کا منظر، بے چینی کی صورت حال نو آبادیاتی نظام کے برے اثرات کو نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ انور سدید افسانے کی فکری وفنی اور اس کے تخلیقی لوازمات سے بخوبی آگاہ تھے۔ اُن کا یہ افسانہ فکری وفنی اعتبار سے بھرپور ہے۔ جو رواں اسلوب کے ذریعے آغاز سے آخر تک پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لیے رکھتا ہے اور وحدت تاثر کی خصوصیت قاری کو ایک سحر میں مبتلا کر دیتی ہے، اگرچہ یہ محبت کی کہانی ہے۔ لیکن بیان ساری صورتحال نو آبادیاتی نظام کے متعلق ہے۔ جو تقسیم ہندوستان سے پہلے موجود تھی۔ جس میں سماجی حقیقت نگاری، معاشی برابری اور سماجی شعور کو بیان کیا گیا ہے۔ اُن کا افسانہ درحقیقت داستانوی طرز اور رومانوی رجحانات کے ردعمل کا نتیجہ ہے۔ انور سدید نے اس افسانے میں خواب وخیال کی مصنوعی حیثیت کو کھوکھلی کائنات سے نکال کر حقائق کی سنگلاخ دنیا سے منسلک کر دیا ہے۔ مختلف کرداروں کو عوامی زندگی کے نئے مسائل سے ہم آہنگ کیا۔ سماجی شعور کو بیدار، بے بس و مظلوم افراد، سماجی انتشار، اخلاقی گراوٹ، تہذیبی استحصال، طبقاتی کشمکش سے پیدا ہونے والے مسائل کو پوری طرح اپنی گرفت میں لے کر نہ صرف معاشرے کی مسخ ہوتی ہوئی تصویر کا نقشہ پیش کیا۔ بلکہ اس کو سنوارنے کا کام بھی کیا۔ یہ تصویریں مزدوروں کی فاقہ کشی، سماج کے ٹھیکیداروں، جاگیرداروں کے جبر اور تشدد کی ہیں۔ افسانہ کا قاری ان رنگارنگ تصویروں کی سچائی بھانپ کر بلبلا اُٹھتا ہے۔ کیوں کہ سماجی حقیقت نگاری میں زندگی کی سچائی کا اقرار اور سماج کا جیتا جاگتا پیکر نمایاں ہوتا ہے۔

اُن کے ہاں دیگر ادیبوں کی طرح فسادات کے متعلق موضوعات بھی ملتے ہیں جس میں اُنھوں نے انسانی المیے کے مناظر کو ایک الگ روپ میں پیش کیا ہے۔ تقسیم ہند پر بے شمار افسانے لکھے گئے، بالخصوص ترقی پسند افسانہ نگاروں نے ہجرت کے واقعات سے متاثر ہو کر تقسیم ملک کے بعد رونما ہونے والے قیامت خیز فسادات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا، منٹو کے افسانے، سیاہ حاشیے، ٹھنڈا گوشت، شریفن، کھول دو، گورکھ سنگھ کی وصیت، موذیل اور ٹوبہ ٹیک سنگھ ہجرت کے موضوع پر نمائندہ افسانے ہیں۔ اس کے علاوہ کرشن چندر "ہم وحشی ہیں"، حیات اللہ انصاری کے "ماں بیٹا"، "شکر گزار آنکھیں"، احمد ندیم قاسمی کا "پرمیشور سنگھ"، عصمت چغتائی کا "جڑیں"، خواجہ احمد عباس کے "سردار جی، میں کون ہوں اور انتقام"، راجندر سنگھ بیدی کا "لاجونتی"، عزیز احمد کا "کالی رات"، سہیل عظیم آبادی کا "اندھیارے میں ایک کرن"، خدیجہ مستور کے "ٹامک ٹوئے، میونے چلا بابا"، ہاجرہ مسرور کے "امت مرحوم، بڑے انسان بنے بیٹھے ہو"، ممتاز حسین کا "سورج سنگھ"، صدیقہ کا "گوتم کی سرزمین" وغیرہ کامیاب افسانے ہیں۔ جن میں اُنھوں نے ۱۹۴۷ء کے فسادات کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔ انور سدید ہمدرد اور انسانیت سے محبت کرنے والے حساس ادیب تھے۔ ہجرت کے موضوع پر اُن کے دو افسانے "لاوارث" اور "ابھی امتحاں اور بھی ہیں" موجود ہیں۔ فسادات کی قیامت خیزی سے انور سدید بھی متاثر نظر آتے ہیں۔ جنھیں وہ نئی صناعی کے ساتھ افسانے کے سانچے میں ڈھال کے لے آئے۔ ہجرت کے موضوع پر لاوارث اُن کا بہترین افسانہ ہے۔ جبکہ ایک اور افسانہ "ابھی امتحان اور بھی ہیں" منفرد اسلوب کا حامل ہے۔ جو اپنے اندر ہجرت جیسے بڑے مسائل اور اپنوں سے دوری کا دُکھ لیے ہوئے ہے۔ ان افسانوں میں ان تمام مصائب، پریشانیوں کا احساس موجود ہے۔ جو قیام پاکستان کے وقت جھیلنے پڑے، اُنھوں نے ظلم اور ستم کے مناظر کو اس طرح پیش کیا کہ پڑھنے والا اُس کے درد کو محسوس کر سکتا ہے۔ جو ہندوؤں کی طرف سے مسلمانوں پر ہوئے تھے۔ کہ کس طرح مسلمانوں کو مارا گیا اور عورتوں کی عصمت دری ہوئی۔ ہجرے کے المیے اور قتل وغارت کو ایک الگ رنگ میں اُنھوں نے افسانوں میں پیش کیا ہے۔

اُنھوں نے موضوعات دیہی سماجی ماحول کی تصویر کشی کر کے اخذ کیئے۔ اُن کے ہاں دیہی سماج پر تنقید کا تاثر کھل کر نہیں ملتا ہے۔ تاہم اُنھوں نے معاشرے کی اُن رکاوٹوں کا تذکرہ کیا جو عشق و محبت کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ ان معاملات میں ان کا نقطۂ نظر زیادہ تر انفرادی رہا جس کی بدولت اُن کے افسانوں میں افراد کو اہمیت حاصل رہی۔ اس ضمن میں سجاد نقوی لکھتے ہیں کہ:

> "ڈاکٹر انور سدید کا عقبی دیار "دیہات" ہے۔ ان کے اولین افسانے "مجبوری" سے لے کر "لاوارث" تک کے افسانوں میں اُنھوں نے بالعموم دیہاتی زندگی سے بھولی بھالی تکلف سے عاری، سچے جذبوں میں گندھی ہوئی زندگی سے بھرپور کہانیاں چنی ہیں۔ مثلاً مجبوری ایک دیہاتی لڑکی کی محبت میں ناکامی کی داستان الم ہے۔ انور سدید کے دیگر افسانوں، ستاروں کے موتی، نیل کنٹھ، وکٹوریہ کراس، دل ناتواں، شیش محل، پوپھٹے، مایوس آنکھیں، شکست اور

صاحب بہادر میں مرکزی کردار تو لڑکا لڑکی کے ہیں مگر ان میں دیہاتی معاشرے کی مروجہ اقدار کو انور سدید نے کہیں مجروح نہیں ہونے دیا۔"[۳]

اُن کے افسانوں کے تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر اُن کے افسانوں میں انسان دوستی ،انسان سے محبت کا تاثر پختگی سے ملتا ہے۔ اُن کے تمام افسانوں کی فکر کا محور انسان ہے۔ انور سدید نے جس عہد میں افسانہ نگاری کی اس عہد میں موجود افسانہ نگاروں کے موضوعات کو بھی اپنایا۔ وہاں اپنے تخلیقی صلاحیت سے ہیئت اور تکنیکی تجربات بھی کیے۔ اُنھوں نے موضوع کی دلچسپی کے لیے اسلوب میں تازگی، نقاط آگہی اور احساس جمال کو اُجاگر کرتے ہوئے انسانیت کے جذبے کو فروغ دیا۔ اُن کے فن میں انفرادیت کا یہ اعجاز اُن کے بے پناہ تجربات اور عمیق مشاہدے کی بدولت تھا۔

موضوع کے ساتھ کردار نگاری بھی افسانہ نگاری میں نمایاں حیثیت رکھتی ہے۔ ابتدائی عہد میں افسانہ نگاری میں پلاٹ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی لیکن ارتقائے تمدن ک بدولت نئی قدروں نے جنم لیا ہے۔ جن میں کردار نگاری بھی اہمیت کی حامل ہے۔ انور سدید نے اپنے افسانوں میں دلچسپی کا عنصر کرداروں کے ذریعے جگایا ہے۔ موضوعات کی طرح کرداروں میں بھی تنوع ہیں۔ ان کے کردار اعلیٰ و ادنی دونوں طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ جو منفرد اور مخصوص خصوصیات کے حامل ہیں۔ بعض کرداروں میں اُن کی اپنی ذات بھی پنہاں ہے۔ وہ کردار کی خوبیوں، خامیوں، ذہانت اور سماجی پس منظر سے پوری طرح واقف تھے۔ اُنھوں نے کرداروں کی روح میں جھلک کر ان کے نمونے پیش کیے۔ مثلاً "کچی مٹی کا بند" میں رمضان، فلکو اور پلکھوندی کے کرداروں کی ایک مثلث ملتی ہے۔ جو معاشرتی اقدار کے نمونے ہیں۔ مشرقی معاشرے، اقدار ، روایات اور سماج کے رویوں کو ظاہر کرتا ہے۔ انہی کرداروں میں خود انور سدید کا اپنا کردار بھی موجود ہے۔ اُنھوں نے کرداروں کو اس کے جیتے جاگتے معاشرے سے لیا اور انہی کرداروں کے ذریعے تہذیبی عوامل کو اپنے فن کے ذریعے افسانوں میں پیش کیا۔ اُن کے افسانوں میں کردار معاشرتی اقدار کی علامت کی صورت میں اُبھر کر سامنے آتے ہیں۔ جو مکمل طور پر سماجی عناصر کے پیکر معلوم ہوتے ہیں۔ جس طرح کچی مٹی کے بند میں پلکھوندی کی طغیانی گاؤں کی بربادی کی علامت ہے۔ وہاں رمضان اور فلکو کا گھر سے بھاگ کر شادی کرنا عزت و ناموس کی بربادی کی علامت کے طور پر بیان کیا ہے۔ ان کرداروں کے ذریعے ہی اقدار کی پاسداری اور دفاع کے محاذ کو "کچی مٹی کا بند" کا عنوان دے کر استحکام بخشا ہے۔ اُنھوں نے افسانے کے موضوع کے ساتھ کردار نگاری کے ربط کو مضبوطی سے نبھایا ہے۔ انہی کے ایک اور افسانہ "سجدہ سہو" میں تاجی، جیوا اور شیدے کے کرداروں کو خوبصورت پیرائے میں بیان کیا ہے۔ بلکہ کمال ہنرمندی اور فن سے معاشرتی رویوں پر گہرا طنز کیا جو فکر کو جلا دیتا ہے۔ "سجدہ سہو" کے مرکزی کردار تاجی طوائف کی داستان غم کو انور سدید نے الگ رنگ میں دکھایا ہے جو بلاشبہ دیگر افسانوں کے موضوعات سے منفرد ہے۔ اُنھوں نے تاجی کردار کے ذریعے معاشرتی کرب ناک داستانوں کو اپنی کہانی میں اس طرح بیان کیاں ہے۔

"کافی دیر تک کمرے میں سناٹا چھایا رہا کہیں سے چاپ تک آواز سنائی نہ دی۔ تاجی کی جھکی جھکی گردن تھکن سے چور ہونے لگتی ہے۔ اس نے گھونگھٹ ذرا سا سرکا کر اِدھر اُدھر دیکھا تو ایسا

جیسے کمرے کی کچھ چیزیں اس کی دیکھی بھالی تھیں ایرانی قالین، اجلی چاندنی، ریشمیں گاؤ تکیے، نقشیں گلدان، ہارمونیم، تانپورہ اور طبلوں کی جوڑی اس نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ خواب ہے، یہ خواب ہے، میں سو رہی ہوں۔ نہیں میں جاگ رہی ہوں یہ حقیقت ہے کھلی ہوئی حقیقت، وہ دوڑ کے دروازے کی طرف لپکی۔ باہر سے زنجیر چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے وحشت میں دروازے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ شور بھرا اور کمرے کے سناٹے میں ڈوب گیا۔ ایک شیشہ تڑکا اور چکنا چور ہو گیا۔ اس کے دل کے میاں مٹھو کا گلا کسی نے پکڑا اور دبوچ دیا۔ پرے کمرے میں کوئی چنگھاڑا، وہ سہم گئی، جیواں کی آواز تھی پھر تیزی سے کوئی کمرے کی طرف لپکا۔ شیدا چر سی کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ بھلی لو کے صبح کا بھولا شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے ۔ تھوڑی سی غلطی پر سجدہ سہو ادا کر و اور شکر کر، مولا تمہیں اپنے گھر صحیح سلامت لے آیا ہے۔ کسی اور کے اڈے پر چڑھ جاتیں تو۔۔۔۔۔ لگے دم مٹے غم تمہاری ہڈیاں بھی بیچ ڈالتا۔۔۔۔۔ تاجی بے ہوش ہو گئی، جیواں نے بڑھ کر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ باہر کالی رات نے سارے شہر کو کھا لیا تھا اور تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ "(۴)

"غم محرومی جاوید" میں چچی اور پامسٹ چچا کے کردار بھی منفرد اہمیت کے حامل ہیں۔ پامسٹ چچا مسلسل سوگواری، مایوسی اور موت کی علامت ہے جبکہ دوسری طرف چچی جو بیتے خوشگوار لمحات کو نعمت تصور کرتی ہے، اور اُمید کو ذریعہ حیات سمجھتی ہے۔ اسی طرح "رباب کے تار" میں رحمان اور رشدی کے کرداروں کو مستحکم رشتوں کی صورت میں عمدہ فن کاری سے پیش کرتے ہیں۔ اُن کے کردار غیرت اور حمیت کی پرچار اور وفا کے پیکر نظر آتے ہیں۔ اگر "ڈبڈباتی آنکھیں" کا مطالعہ کیا جائے تو "نازو" کا کردار دیہات کی تہذیبی اور اخلاقی قدروں کی ترجمانی کرتا نظر آتا ہے۔ انور سدید دیہات کی زندگی کی ترجمانی تہذیبی اور اخلاقی تناظر میں کرتے ہیں۔ "سینہ چاک" میں جمال اور صابی "دل ناتواں" میں اشوک اور ارملا اور "جب پردہ ہٹا" میں خالد کی ماں کے کردار کو الگ رنگ اور مختلف زاویوں سے چلتی پھرتی زندگی کو موضوع بنایا۔ "جب پردہ ہٹا" میں ایک عورت کے گھریلو الجھاؤ کو ایسے انداز میں پرسش کی کہ آنکھوں میں نمی تیرنے لگتی ہے۔ اُن کے ہاں نسوانی کردار غیرت کے پیکر اور مجسمے دکھائی دیتے ہیں۔ "جب پردہ ہٹا" میں خالد کی ماں اپنے شوہر کی دو رنگی طبیعت کے باوجود اس کے ساتھ اپنی وفا کا دم بھرتی رہتی ہے۔ اس اقتباس سے اُن کی کردار نگاری کے فن کو جانا جا سکتا ہے۔

"مہتابی چہرہ، کھلتا ہوا رنگ، ستاروں جیسی آنکھیں، شفق جیسے گال، شمعی انگلیاں اور ابریشمی ہونٹ۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بکس تھا۔ اس نے قریب پہنچ کر بکس کھولا۔ اس میں طلائی زیورات تھے، بھائی! "انہیں لے جاؤ" وہ بولی "کسی کے پاس رہن رکھ دو اور ڈاکٹر کو بلا لاؤ۔ خدارا ان کی زندگی بچاؤ۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور آواز بھر اگئی۔"(۵)

انور سدید کے افسانوی ادب کے موضوعات کی طرح اُن کے کردار بھی مختلف رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ہجرت کے پس منظر افسانے "لاوارث" میں بوڑھا، لڑکی اور شوہر تینوں کرداروں کو سماجی رویوں کی عکاسی کر کے پیش کیا۔ یہ تینوں کردار کہانی کے پس منظر سے الگ کر کے دیکھے جائیں تو یہ تینوں کردار استعاراتی یا علامت کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح "ابھی امتحان اور بھی ہیں" میں ہیرو ناصر کے کردار کو، "نیلی رگیں" ڈاک والا بابو، گوراں اور سٹینلا کے کردار کو جنگی صورت حال کے اثرات کے نتیجہ کے طور پر پیش کیا۔ انور سدید کے افسانوں میں سادہ، غریب، دیہاتی اور عام شہری کے کردار اور اُن کے معاشرتی ماحول کی عکاسی عموماً فنی حوالے سے خاصی مضبوط ہے۔ لیکن امیرانہ گھروں اور محفلوں کا کلچر اور ان گھرانوں کے نوجوانوں کے کردار اتنے بھرپور نہیں ہیں، ان امیر زادوں اور لاڈلے نوجوانوں کی حرکتیں اور شرارتیں بعض اوقات بیگانہ سی معلوم ہوتی ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مذکورہ ماحول اور کردار اُس وقت تک مصنف کے تجربے کا حصہ نہ بنے ہوں۔ لیکن انور سدید نے اپنی پختہ نثر اور برجستہ مکالموں سے اس کمی کو بڑے سلیقے سے پورا کیا ہے۔ یہ امر بھی اس چیز کا ثبوت ہے کہ ان کا نثری اسلوب، اُن کے افسانوں ہی میں ارتقاء کے مراحل طے کر چکا تھا۔ اُنھوں نے ان افسانوں میں محبت، انسان دوستی اور ہمدردی کا اظہار کیا ہے۔ اُن کے ہاں زندگی کے تنوع اور متضاد تجربات، شعور اور وحدت پذیری فنی تجربے کی صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ نتیجے میں ان افسانوں میں شعریت، ڈرامائیت اور کردار واقعہ کے عمل اور ردعمل کے جو سلسلے تخلیق ہو سکتے ہیں وہ ان کی تخلیقی حیثیت کی دلالت کرتے ہیں اور اُردو ادب میں وہ افسانے یادگار اور قاری کے لیے غور طلب ہیں۔ ڈاکٹر انور سدید کے نسوانی کرداروں میں غیرت و حمیت اور اپنی عزت کی حفاظت کے لیے سینہ سپر ہونے کی خوبی کا ذکر کیا ہے۔ انور سدید کے مردانہ کردار بھی دیہاتی کڑیل جوان ہے جو کہ دیہات کی روایتی شان کے مظہر ہیں۔ جبکہ اُن کے نسوانی کردار عموماً وفاداری کی اعلیٰ مثال پیش کرتے ہیں۔

اس اعتبار سے اُن کا شمار اُردو ادب کے اہم افسانہ نگاروں میں کیا جا سکتا ہے۔ اُن کے افسانوں میں فکر و فن، تکنیک اور زبان و بیان کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ اُنھوں نے اگرچہ کم افسانے لکھے ہیں لیکن اُنھوں نے معیاری لکھا ہے۔ اُنھوں نے اُردو افسانوی ادب کو منفرد موضوع، کردار، فن اور تکنیک اور اسلوب بیاں سے روشناس کرایا ہے۔ اُن کے افسانے فنی و فکری عظمتوں کے آئینہ دار ہیں۔ منفرد آرٹ، تکنیک کے استعمال سے انفرادی مقام رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش اُن کے افسانوی ادب پر رائے کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> "ڈاکٹر انور سدید کے تحریر کردہ افسانوں میں وہ تمام فنی محاسن موجود ہیں جو ہر اچھے افسانے کی پہچان ہوتے ہیں۔ اُن کے افسانے زندگی کی ایسی قاشیں ہیں جو ہمیں مختلف رنگوں اور ذائقوں سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ ان افسانوں میں واقعیت کے پہلو بہ پہلو علامتی زاویہ بھی کہیں کہیں اپنی جھلک دکھاتا ہے۔ افسانوں کا یہ مجموعہ قارئین ادب کو ڈاکٹر انور سدید کے طویل علمی و ادبی سفر کی ایک خوابیدہ جہت سے دوبارہ آشنا کر دے گا۔" (٦)

اُن کی یہ خوبی ہے کہ اُنھوں نے افسانوں کے موضوع گرد و پیش کے حالات و واقعات سے لیے ہیں اور خالصتاً ذاتی مشاہدہ سے اخذ ہیں۔ اُنھوں نے عمومی اور خاص دونوں مسائل کو اپنے افسانوں میں جگہ دی ہے۔ اسی طرح اُن کی فنی تکنیک بھی مقلد نظر نہیں آتی بلکہ مشاہدہ، عمیق مطالعہ ادب اور فنی آگاہی کے سبب تجربات کی صورت میں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اُن کی کہانیوں میں واقعات کی یکساں ترتیب اور منطقی ربط و تسلسل سے وحدت تاثر کی کیفیت نمایاں دکھائی دیتی ہے۔ افسانوں میں واقعات دھیرے دھیرے آگے بڑھتے ہیں اور واقعات کی مخصوص ترتیب قاری کو لطف پہنچاتی ہے۔ پلاٹ میں واقعات کی ترتیب کو دیکھا جائے تو افسانہ جہاں سے شروع ہوتا ہے۔ اسی منظر پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے۔ کہیں کہیں اُنھوں نے نہ صرف تجسس اور دلچسپی کے عنصر کے لیے کرداروں کی داخلی کیفیات، جزئیات نگاری سے کام لیا بلکہ ساتھ میں پلاٹ کی مخصوص بنت کا استعمال بھی کیا ہے ۔ اُن کے افسانوں میں پلاٹ کی ترتیب و پیش کش کا منفرد انداز ملتا ہے ۔ اکثریت افسانوں میں پلاٹ سادہ اور مختصر ہے۔ جس میں مربوط خیال اور ربط موجود ہے۔ اُن کے افسانوں کے پلاٹ میں پیچیدگی نظر نہیں آتی ہے ۔ افسانے کے پلاٹ کو حقیقی بنانے کے لیے وہ مقامی ماحول، تہذیب اور ثقافت کو پیش کرتے ہیں اور اسی کے مطابق ان کی وضع قطع، لباس، بات چیت، صورت و سیرت کو پیش کرتے ہیں۔ جس سے اُن کے افسانوں میں واقعیت کے ساتھ ساتھ تاثر میں بھی اضافہ نظر آتا ہے۔

اُن کے افسانے ماحول اور مقامی رنگ کے لحاظ سے بھی بھرپور ہیں۔ خاص طور پر دیہی ماحول اور قدرتی رنگ کے مناظر کو خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ اُن کے افسانوں میں منظر کشی کمال کی نظر آتی ہے۔ وہ کہانی کو ابتداء کرنے سے پہلے ایسا منظر کھینچتے ہیں کہ قاری خود کو اس ماحول میں دیکھتا ہے، پھر کہانی شروع کرتا ہے۔ اُن کے افسانوں میں منظر کشی کا بھی فنی حسن دیکھا جا سکتا ہے۔

> "آسمان پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ چاند ان بادلوں کی اوٹ میں ہے کہیں کہیں پھٹے پھٹے بادلوں میں اس کی کرنیں چھن رہی ہیں۔ لیکن بادلوں کی کثافت زیادہ ہے، اس لیے کرنوں کی روشنی مدھم ہے۔" (۷)

انور سدید کا مشاہدہ بہت تیز ہے۔ اُن کی باریک بینی اور جزئیات نگاری سے مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے ۔ اُنھوں نے خوبصورت آسمان، زمین، صبح، شام، پرندے، شفق، چاندنی، ستارے، پھولوں کی تازگی، دریا، وادی، ویرانی، بھیڑ، دیہات اور شہر غرض زندگی کے ہر قسم کے منظر کی منظر نگاری اپنے افسانوں میں دلکش انداز سے کی ہے۔ جو اُن کے افسانوں کو دلکش بنا دیتی ہے۔ جن کی مثالیں اُن کے افسانوں میں یوں ملتی ہیں۔

> "دریائے جہلم کے طاس میں گزشتہ تین روز سے موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ زمین کے گہرے پاتال میں سوئی ہوئی بلکھو ندی جاگ اُٹھی تھی اور چوٹ لگی ناگن کی طرح شونکارے مارتی اور عام راستہ بدلتی اس مقام تک آپہنچی تھی۔"(۸)"اُس وقت شام ہونے کو تھی۔ درختوں کے سائے لمبے ہوتے ہوئے کولتار کی سرمئی سڑک پر لپٹ چکے تھے۔ کارپوریشن کی گاڑی بھی

ابھی چھڑکاؤ کر کے گئی تھی اور زمین سے سوندھی سوندھی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ "(۹)" شام بھیگ چکی تھی اس لیے پرندوں کے غول کے غول بسیرا کرنے کے لیے اپنے گھونسلوں کی طرف اُڑے جارہے تھے۔ اُن کے پروں کی ہلکی ہلکی پھڑ پھڑاہٹ۔۔۔۔۔۔ "(۱۰)" سورج کی آخری زرد کرنیں یوکلپٹس کی پھننگوں پر مضمحل انداز میں رقص کررہی تھیں۔ جنا کے پودوں کی باڑ سے پرے، مسجد کے مینار بھی زرد نظر آرہے تھے، دور افق کے قریب، شفق پھیلتی جارہی تھی۔" (۱۱)

اُنھوں نے منظر نگاری کے ذریعے کہانی کو طوالت سے بچانے اور دلچسپی پیدا کرنے کے لیے منظر کشی کی ہے۔ اُن کے ایک ایک جملے میں ایک ایک فقرے میں اُن کی بے پناہ صلاحیت موجود ہے۔ اُنھوں نے دلکش بیانیہ اور منظر نگاری سے لطیف احساسات، جذبات کو منفرد اسلوب میں پیش کیا۔

اُن کے افسانوں میں موسیقی کے آلات جیسے طبلے، ہارمونیم وغیرہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس سے افسانہ نگار کی موسیقی کی طرف دلچسپی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ اُن کے افسانوں میں اگر اسلوب کی بات کی جائے تو ہمیں نئی نئی تشبیہات اور نئی نئی لفظیات ملتی ہیں، وہ موقع کی مناسبت سے لفظوں کا استعمال کرتے ہیں۔ جیسے مناظر ہوتے ہیں، ویسے ہی الفاظ بھی اسی مناسبت سے رکھتے ہیں اور جب دل کی کیفیت کی بات کرتے ہیں تو استعارے بھی ویسے ہی استعمال کرتے ہیں۔ ذیل میں درج فقرات قارئین کو لفظوں کے تیور، جملہ سازی، رنگ ڈھنگ، آواز اور آہنگ سے اپنے سحر میں مقید کر لیتی ہے۔

"گوراں۔۔۔۔۔ جو اُس کی زندگی کے افق پر شہاب ثاقب کی طرح نمودار ہوئی، چمکی اور پھر فضاء کی اتھاہ گہرائیوں میں غائب ہوگئی۔" (۱۲) "مگر میرے پیروں کا تحرک مجھے اپنے پرانے وطن ہی کی طرف لے جارہا تھا۔" (۱۳) "ایک دفعہ ایک معطر سایہ میرے قریب سے گزرا تو میں چونکا، میرے دل کے قریب نہاں خانوں میں ایک جگنو یکبارگی چمکا، یہ تم تھیں۔" (۱۴) "لیکن پھر جلد ہی ہم دونوں نے متانت کا دبیز نقاب اپنے چہرے پر ڈال لیا۔"(۱۵) "آپا کی آنکھوں سے بھی مایوسی اور تحیر کے نقوش جھلکنے لگے۔"(۱۶) "مجھے اپنا دل کچھ اُس کی طرف کھنچتا ہوا سا محسوس ہوا اور پھر اسی وارفتگی میں غیر اضطراری طور پر میں نے دروازے کو نیم وا کر دیا۔" (۱۷) "کوشل سے پہلی ملاقات ایک پارٹی میں ہوئی تھی۔ اس کے باپ رائے بہادر گپتا رام کو "سرکار" کی شان دار "خدمات" انجام دینے کے عوض "خطاب" ملا تھا۔ یہ پارٹی اُسی خطاب کی تشہیر کے لیے کی گئی تھی۔"(۱۸)

انور سدید دیگر اصناف کی طرح افسانوی ادب میں بھی منفرد اسلوب رکھتے ہیں۔ جملہ سازی، آہنگ اور پر اعتماد لہجہ اُن کی افسانوی اسلوب میں بھی نظر آتا ہے۔ اُن کا اسلوب انتقاد کے نمونے اُن کی تخلیقی نثر میں بھی نمایاں ہے۔ جملوں کی

کاٹ، چھوٹے چھوٹے فقرے، تراکیب اور استعارے، جملوں کی بناوٹ کے قرینے اور بات چھیڑنے، پھیلانے، سمیٹنے کا فن اُن کی تنقید اور تخلیق میں یکساں نظر آتا ہے۔ مثلاً

"میلارے کی تخلیقات میں حسن کا سحر ز تاثر اجنبیت کے کہرے میں لپٹا ہوا ہے۔" (۱۹) "ولی تحریک نے مقامی زبان کو وفورِ شگفتگی سے بچایا اور اُسے اعتماد اظہار عطا کر دیا۔" (۲۰) "کرشن چندر کا شمتیں اسلوب اُن کی خوبی بھی ہے اور کمزوری بھی۔" (۲۱)

انور سدید نے اپنے اسلوب کی جہتوں میں وابستگی نبھائی۔ جس اسلوب کا اظہار پہلے پہل اُنھوں نے اپنے افسانوں میں کیا تھا، بعد ازاں اُن کی نثری اسلوب نے ارتقاء کے متعدد اور مختلف مراحل تیزی سے طے کیے لیکن ابتدائی اسلوب کی خوشبو یا اُس کے خمیر میں موجود عناصر ہمیشہ اُن کی تحریروں میں اپنے آپ کو محسوس کراتے ہیں۔ اُن کی تراکیب، بیانیہ، اُن کی تنقیدی تحریروں میں نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔ یہ سب اُن کی تخلیق کے بارے اپنے اس نظریے کی بدولت تھا کہ:

"تخلیق کے مقابلے میں تنقید ثانوی درجے کا شعوری عمل ہے۔ تنقید تخلیق کے پیچھے پیچھے چلتی ہے۔ البتہ نقاد اگر تخلیقی ذہن کا مالک ہے اور وہ تنقید میں تخلیقی عمل سے گزرتا ہے اور فن پارے کے بطون سے معنی کی بازیافت تخلیقی انداز میں کرتا ہے تو میں اسے بلند مرتبہ نقاد تصور کرتا ہوں، اس کی نکتہ آفرینی تخلیق کا درجہ رکھتی ہے۔" (۲۲)

اُن کے افسانوں میں حیرت انگیز تاثر یہ بھی ہے کہ اُن کے اسلوب میں داخل اور خارج کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ اُن کے افسانوں میں دل کے نہاں خانوں، اضطراری کیفیتوں، خوش آگیں لمحوں، لوحِ دماغ پر اُترتے چہروں کا کئی بار ذکر آیا ہے۔ اُنھوں نے نفسانی کیفیات کو شعری حسن میں دلکش اسلوب کے رنگ میں پیش کیا جو کہ شعریت سے لبریز ہے۔ اُن کے افسانوں سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

"یہ کوشل تھی جس نے چوری چوری میرے دل کے نہاں خانے میں داخل ہو کر، "میرے ازل اور ابد کے سلسلوں کا ناتا جوڑ دیا تھا۔" میرا تخیل موہوم مسرتوں کے گہواروں میں جھولنے لگا۔" ہزاروں، گیت سننے والوں میں وہ بھی کھڑا تھا، اُس کی آنکھوں میں خوف و تحیر کے نقوش لرزاں تھے۔" (۲۳)

اُن کے اسلوب میں اختصار، داستان گوئی کی کمال مہارت نظر آتی ہے۔ یہ سب کچھ فطری انداز میں وقوع پذیر ہوتا ہے جس میں اُن کو اہتمام کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ زبان و بیان کے معاملے میں اُن کی مہارت حیرت انگیز ہے اُن کی زبان سلیس، سادہ، دلکش اور موثر ہے۔ اُن کی تحریروں میں بے ساختگی اور شاعرانہ لطافت کے عمدہ نمونے ملتے ہیں۔ تشبیہ، استعارے کے ذریعے افسانوں کے اسلوب میں سحر کارانہ تاثر ملتا ہے۔ جو کہ پاکیزہ اور لطیف ہے۔ اُن کی شجر کارانہ جدت منفرد اور بے مثال ہے۔ اُن کی منفرد طرزِ نگارش کہانی کو دلچسپ اور دلکش بنا دیتی ہے۔ سجاد نقوی اس امر میں بیان کرتے ہیں کہ:

"اُن کے افسانے میں مضمون نگاری کا سا انداز کہیں کہیں ہے۔ یہ عام طور پر پیرائیہ بیان، افسانہ نگاری کے تقاضے پورے کر رہا ہے۔ انور سدید کی افسانوی نثر پر فارسی لفظیات اور پنجاب کے اُردو شعر و ادب کا اثر زیادہ اور دہلی لکھنؤ کے محاوروں، کہاوتوں اور لہجوں کا اثر کم ہے۔ لفظی تراکیب یا مرکبات کچھ زیادہ نظر آتے ہیں۔ مگر نہ تو فقط آرائشی ہیں اور نہ شعوری کاوش کا نتیجہ ہے۔ اُن کے اسلوب میں ایک لطیف احساسِ موسیقیت موجود ہے اور جملوں کی روانی میں جہاں کہیں لے کے ٹوٹنے کا خدشہ ہوتا ہے، وہاں خوبصورت تراکیب اور مرکبات طبلے کی تھاپ بن کر اُسے ٹوٹنے سے بچا لیتے ہیں۔" (۲۴)

اُن کی ان تراکیب اور مرکبات سے موسیقیت کا سلسلہ آغاز اُن کے افسانوی نظر سے شروع جو ارتقائی مراحل طے کر کے اُن کی دیگر اصناف میں بھی نظر آتا ہے۔ اُن کا اسلوب بیان وضاحت، صراحت، اختصار متانت، منطقی اور سائنسی انداز کا حامل ہے۔ اُن کا پیرائیہ بیان میں وہ تاثر موجود ہے جو اُن کو منفرد تخلیقی درجہ عطا کرتا ہے۔ اُن کے یہ افسانے ابتدائی تخلیقی کاوش کا درجہ نہیں رکھتے بلکہ یہ صاحب اسلوب نثر نگار، رجحان ساز ادیب کے تمام امکانات کو پوری کرتا ہے۔ اُن کے تصور اسلوب کے تمام عناصر اُن کی تخلیقات کی صورت میں بطور ثبوت موجود ہے۔ منور ہاشمی اس ضمن میں بیان کرتے ہیں کہ:

"انور سدید کے نزدیک اسلوب، فقط کسی خیال و احساس بھی ہو اور قوت گویائی بھی! وہ لفظوں کے استعمال ہی کو نہیں، اُن کے وجود کو بھی تخلیقی امکانات کا حامل سمجھتے تھے۔ اُن کے نثری اسلوب ہی کی نہیں تصور اسلوب کی اولین نمود بھی اُن کے خوابیدہ افسانوں میں ہوئی، بعد ازاں اُن کا تصور اسلوب اُن کی تنقیدی تحریروں میں مرحلہ وار ترتیب و تدوین کے عمل سے گزر کر، ایک واضح اور منطقی صورت میں ہمارے سامنے آیا۔" (۲۵)

انور سدید کے افسانوں کا فنی اور فکری رویوں کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ انور سدید بے پناہ تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ فن افسانہ نویسی میں اُنھوں نے ہیئت اور تکنیک کا موزوں استعمال کیا۔ افسانے موضوع، کردار، پلاٹ، منظر نگاری اور اسلوب نگارش میں بھی اپنا منفرد مقام رکھتے ہیں۔ روشن اسلوب کے باعث اُن کے یہ افسانے زندہ و جاوید رہیں گے۔ اُن کے یہ افسانے حسن و جمال کے مرقع ہیں اور اُردو ادب میں عظیم اضافہ ہیں۔ وہ اپنے افسانوں میں بطور انسان کردار پیش کرتے ہیں۔ اُن کے ہاں عورت اور مرد میں کوئی امتیاز نظر نہیں آتا کیوں کہ وہ انسانیت کی بات کرتے نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے جس موضوع پر بھی قلم اُٹھایا ہے۔ اُسے خوب صورت سے نبھایا بھی ہے۔ اُنھوں نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز تو افسانہ نگاری سے کیا اور کم و بیش تیس سال تک افسانہ نگاری کی اور اپنے افسانوں میں مختلف موضوعات پر لکھا ہے۔ لیکن ہندوستان کی تقسیم اور فسادات کے متعلق، رومانی افسانے اور سماجی مسائل بطور خاص موضوعات اُن کے افسانوں میں ملتے ہیں۔ اُنھوں نے اپنے افسانوں کے کردار اپنے سماجی اور معاشرتی نظریے سے تشکیل دیے اور اُن کو انسان کی

معصومیت، انسانی رشتوں کے تقدس، دوستی، خلوص، محبت اور ایثار و قربانی کی زنجیروں سے باندھ کر اس میں جمالیاتی عناصر کو شامل کیا۔ اُن کے شدید احساس نے اُن کے اسلوب کو دلکش بنادیا ہے۔ اپنے خاص سیاسی نظریہ رکھنے کے باوجود اُن کی تحریر کی دلکشی فکر سے زیادہ احساس کو انگیز کرتی ہے۔ اُن کی افسانہ نگاری معاشرتی تنوع اور زندگی کی بوقلمونیوں کو بھی پیش کرتی ہے۔ دیہاتی زندگی کی عکاسی اور دیہات کی خالصیت کے ساتھ ساتھ مشرقی عورت کے تصور کو الگ انداز میں اجاگر کرتی ہوئی ملتی ہے۔ اُن کے کردار مثبت سوچ کے حامل اور زندگی چلتی پھرتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ افسانے انور سدید کی تخلیقی کاوش کا ایک روشن نمونہ ہیں۔ جو کہ موضوع، کردار، اسلوب اور طرز نگارش میں منفرد حیثیت کے حامل ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ ذوالفقار احسن، دلِ ناتواں، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، پبلشرز نقش گر، سرگودھا، اگست ۲۰۱۵ء، ص۱۳۵

۲۔ ذوالفقار احسن، نیلی رگیں، ایضا، ص۱۰۶

۳۔ سجاد نقوی، پروفیسر، ڈاکٹر انور سدید: شخصیت اور فن، اکادمی ادبیات پاکستان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص۲۷۶

۴۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (سجدہ سہو)، ایضاً، ص۹۷

۵۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (جب پردہ ہٹا)، ایضاً، ص۷۷

۶۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، پبلشرز نقش گر، سرگودھا، اگست ۲۰۱۵ء، ص۷

۷۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (خودکشی سے پہلے)، ایضاً، ص۸۷

۸۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (کچی مٹی کا بند)، ایضا، ص۱۵

۹۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (سجدہ سہو)، ایضاً، ص۲۲

۱۰۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (رباب کے تار)، ایضاً، ص۳۷

۱۱۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (باسی پھول)، ایضاً، ص۴۷

۱۲۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (نیلی رگیں)، ایضاً، ص۱۱۲

۱۳۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (لاوارث)، ایضاً، ص۴۶

۱۴۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (غم محرومی جاوید)، ایضاً، ص۳۱

۱۵۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (نیل کنٹھ)، ایضاً، ص۱۲۰

۱۶۔ ایضاً، ص۱۲۱

۱۷۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (ستاروں کے موتی)، ایضاً، ص ۱۱۴
۱۸۔ ذوالفقار احسن، انور سدید کے خوابیدہ افسانے، (ستاروں کے شکار میں)، ایضاً، ص ۸۵
۱۹۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اُردو، کراچی، بارِ دوم، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳۲
۲۰۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، انجمن ترقی اُردو، کراچی، بارِ دوم، ۱۹۹۱ء، ص ۱۹۷
۲۱۔ انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر تاریخ، عزیز بک ڈپو، لاہور، بارِ دہم، ۲۰۱۳ء، ص ۴۷۵
۲۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، وکٹوریہ کراس، عزیز بک ڈپو، لاہور، بارِ دہم، ۲۰۱۳ء، ص ۱۴۶
۲۳۔ سجاد نقوی، گرم دم جستجو، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا، ۱۹۹۰ء، ص ۱۵۳
۲۴۔ سجاد نقوی، گرم دم جستجو، مکتبہ اُردو زبان، سرگودھا، ۱۹۹۰ء، ص ۲۰۵
۲۵۔ منور عثمانی، مطالعہ اسلوب کے تقاضے، مکتبہ جدید پریس، لاہور، ۲۰۱۷ء، ص ۱۱۵